⊙ ڈاکٹر مسرت بانو
اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ کالج برائے خواتین، شاہ پور (سرگودھا)

پاکستان میں تہذیبی تناظرات
(نظری مباحث)

Abstract:

Culture is the creative and social quest, dialect and tastes esteemed by a society or class as in the arts, etiquette, attitude, dress and mode of life. Culture replicates the all activities of a nation either are intellectual, materialistic, and exterior or interior and revealed or concealed. It consists on a complete code of life, acquaintance and fine arts of a nation. The Islamic culture is based on its religious beliefs and ideologies yet it has profound significance and merits derived from the other civilizations and have absorbed the import and impacts in its subsistence. The real and foremost theme of Pakistani civilization is no doubt the Islamic civilization which can be said the combination of antique culture of Arab, Middle East and Sindh valley. In this article, different ideological perspectives of Pakistani Culture have been analyzed.

Keywords:

Culture Perspective Ideology Pakistani Sindh Civilization

تہذیب وثقافت ایک کلّی عمل ہے جو مسلسل ارتقا پذیر رہتا ہے۔ پاکستانی تہذیب بھی ایک طویل تاریخی ارتقا کی پیداوار ہے جس کی بنیاد اسلامی عقاید پر ہے۔ مختلف تہذیبوں نے اس کی تعمیر میں چونے، اینٹ اور گارے کا کام کر کے اس کی خوب صورتی میں اضافہ کیا ہے۔ اگر کسی عمارت کی بنیاد کمزور ہو تو اس کی زیبائش وزینت اسے گرنے اور تباہ ہونے سے نہیں بچا سکتی۔ اس لیے زیادہ توجہ بنیاد پر مبذول کی جاتی ہے، نہ کہ زیبائش وآرائش پر۔ اسی اصول کی بنا پر مسلمان دنیا میں جس خطے میں بھی گئے، انہوں نے اپنی تہذیبی عمارت کی زیب وزینت میں مقامی تہذیب کے عناصر کو بخوشی استعمال کیا، مگر اپنی تہذیبی عمارت کی بنیاد کو بھی ہلنے نہ دیا۔ یہی اسلامی تہذیب کی وہ خصوصیت ہے جو اسے انفرادیت عطا کرتی ہے۔ ڈاکٹر

سجاد باقر رضوی پاکستانی تہذیب میں اسلامی عناصر اور مختلف علاقائی تہذیبوں کے اثرات کی اس آمیزش کو تسلیم کرتے ہیں اور مذہب کو مسلمانوں کی تہذیب کا پدری اور مقامی تہذیبی اثرات ونفوذ کو اس تہذیب کا مادری اصول قرار دیتے ہیں۔اس مادری اور پدری اصول کے مطابق اسلامی تہذیب کی روح عالمگیر سطح پر ایک ہی ہے مگر جسمانی طور پر ان کے رنگ ہر ملک میں جدا جدا ہیں (۱)۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے ایک ہی پھل کے بیج کو اگر مختلف زمینوں میں بویا جائے تو اس کے ذائقے اور رنگ میں کسی قدر فرق آجاتا ہے۔لہذا پاکستانی تہذیب کے بنیادی عناصر یکساں ہیں کیونکہ ان کی بنیاد ان کے عقاید اور نظریات پر ہے۔جبکہ تہذیب کے ظاہری مظاہر مثلاً رسوم ورواج ،لباس اور رہن سہن کے انداز میں مختلف علاقوں میں کسی قدر فرق پایا جاتا ہے۔

تہذیب کے عناصر اور اجزائے ترکیبی کے سلسلے میں ماہرین نے عقیدے کو تہذیب کی اساس اور مذہب کو اس کی اصل قرار دیا ہے۔جس طرح عمل کا دارومدار سوچ پر ہے،اسی طرح تہذیب کا دارومدار عقیدے پر ہے۔مذہب اور تہذیب دو الگ الگ چیزیں ہیں مگر دنیا کی کوئی بھی تہذیب ایسی نہیں ہے جو مذہبی اعتقادات کے کسی نہ کسی سلسلے پر مبنی نہ ہو (۲)۔مذہب محض چند عقاید پر ایمان لانے کا نام نہیں ہے بلکہ ہر مذہب اپنے ساتھ کچھ اصول وضوابط بھی لے کر آتا ہے جن کی بنا پر اس مذہب کے پیروکار ایک سماجی نظام کی تشکیل کرتے ہیں۔اسلام کی آمد کے بعد، فتح مکہ تک بتوں کی پوجا کرنا کفار کی روزمرہ زندگی میں شامل رہا مگر مسلمانوں کے لیے وہ ایک قبیح فعل قرار پایا۔اسی طرح شراب کی حرمت کے احکام کے بعد مسلمانوں نے شراب ترک کر دی جبکہ کفار کے لیے وہ ایک عام مشروب رہی۔لہذا مذہب نہ صرف ایک گروہ معاشرہ کے سماجی نظام کی تشکیل نو کرتا ہے بلکہ اسے دوسروں سے ممتاز بھی کرتا ہے۔پس ہر تہذیب کا مرکزہ اس تہذیب کے ماننے والوں کے مذہبی عقاید وافکار پر مشتمل ہوتا ہے اور انہی عقاید وافکار کی روشنی میں اس تہذیب کی تمدنی زندگی کی تشکیل کی جاتی ہے (۳)۔اسلام محض ایک مذہب نہیں ہے بلکہ ایک مکمل نظام زندگی ہے اور اسی مناسبت سے اسلامی تہذیب ایک رویہ زندگی سے عبارت ہے اور یہ رویہ زندگی ذوق جمال وفرحت،ذوق علم،ذوق جہاد اور ذوق عبادت کے مجموعے کا نام ہے (۴)۔اس طرح اسلامی تہذیب کا اہم اصول اس کی کلیت ہے جو دین و دنیا اور انسان و کائنات کو ایک ساتھ لے کر چلتی ہے۔اس میں انسان کی انفرادیت بھی اپنی جگہ اہم اور محفوظ ہے اور اجتماع سے اس کا مضبوط رشتہ بھی قائم رہتا ہے جس کی اساس اس کے عقیدے سے جڑی ہے۔پرفیسر حمید احمد خان لکھتے ہیں:

> ''ہمارا ایمان ہے کہ دین ودنیا ایک ہی وحدت کے دورخ ہیں،دوعلیحدہ حقیقتیں نہیں ہیں۔بنی نوع انسان کا باہمی تعلق مساوات اور اخوت کا تعلق ہے۔مسلمانوں کے ایکے کی بنیاد ان کا وطن نہیں بلکہ ان کا اسلامی عقیدہ ہے۔ہم اہل پاکستان کے یہ اعتقادات ہماری نسلی،قبائلی اور علاقائی روایات میں گھل مل گئے ہیں۔ہم بزرگوں کا ادب کرنے کو تہذیب کی علامت سمجھتے ہیں لیکن مالدار آدمی کو محض اس کی دولت کی بنا پر قابل تکریم قرار نہیں دیتے۔اہل علم وفضل کو ہم اپنے خاص احترام کا مستحق سمجھتے ہیں۔ہمارے ذہن میں عورت کا ایک مخصوص معاشرتی مقام ہے جس کے تحت غیر عورت بھی،اپنی عمر کے فرق کے لحاظ سے،ہماری ماں یا بہن کی حیثیت رکھتی ہے۔ہم

اپنے ہمسائے کے رنج وراحت میں شریک ہونا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ ہماری گفتگو کا عام لب ولہجہ عجز وانکسار کا ہے، لیکن ظلم یا زیادتی کا مقابلہ کرنے سے ہم کبھی نہیں چوکتے۔''(۵)

مندرجہ بالا خصائص ہی اسلامی تہذیب کی پہچان ہیں جو پورے ہندوستان میں یکساں طور پر جاری وساری تھی۔ رنگ، نسل، زبان اور رسم ورواج میں فروعی اختلافات کے باوجود اس تہذیب کی اصل روح ایک ہی تھی جسے بآسانی دیکھا جاسکتا تھا۔ انہی بنیادی اسلامی اصولوں نے اس تہذیب کے حامل لوگوں کو کشمیر سے راس کماری اور پشاور سے ڈھاکہ تک یگانگت کے رشتے میں پرویا اور ان میں فکری واخلاقی سطح پر ایک مماثلت پیدا کی۔ پس اسلام ہی اس خطے کے لوگوں کی تہذیبی یک جہتی کی بنیادی وجہ ہے(۶)۔

تہذیب کی تشکیل میں مذہب کے بعد کسی خاص ملک کا جغرافیہ اور اس کی معاشرت بھی اہم کردار ادا کرتی ہے۔ تہذیب کسی عقیدے کے عملی پہلوؤں کی صورت پذیری کا نام ہے اور اس کے لیے ایک خاص خطۂ زمین یا ملک کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرمؐ کو مکہ سے مدینہ منورہ ہجرت کرنے کا حکم دیا اور یوں پہلی اسلامی ریاست وجود میں آئی جہاں اسلام کے اصولوں کو عملی شکل میں نافذ کیا گیا۔ اس کا مطلب ہے کہ تہذیب اس وقت جنم لیتی ہے جب کسی ملکی یا علاقائی حدود میں ایک مخصوص مذہبی نظریے کے مطابق نظام معاشرت قائم کیا جائے(۷)۔ اس سلسلے میں یہ امر بھی اہمیت کا حامل ہے کہ انسان معاشرتی حیوان ہے اور اس کی ضروریات کا تقاضا ہے کہ وہ ایک جگہ مقید ہو کر نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا ایک علاقے سے دوسرے علاقے اور ایک ملک سے دوسرے ملک کا سفر ہر دور میں جاری رہا ہے۔ یہی سفر مجموعی طور پر انسانیت کی ترقی کا باعث بنا اور مختلف تہذیبوں کو ایک دوسرے کی تفہیم اور اثر ونفوذ کا موقع ملا۔ ہر تہذیب فکری اور عملی سطح پر دوسری تہذیبوں سے اخذ واستفادہ کرتی ہے اور تہذیبوں کا یہ تعامل غیر محسوس طریقے سے ہر جگہ اور ہر سطح پر جاری رہتا ہے۔ مگر ہر تہذیب کا اپنا ایک مرکزہ ہوتا ہے جس کی اساس اس کے عقائد پر ہوتی ہے۔ لہٰذا دوسری تہذیبوں سے اخذ و استفادہ کے اس عمل میں وہ صرف انہی چیزوں کو قبول کرتی ہے جو اس کے بنیادی نقطہ نظر سے ہم آہنگ ہوں اور جو چیزیں اس کے بنیادی نظریات کے خلاف ہوں، انہیں وہ مسترد کر دیتی ہے(۸)۔ یہی حال اسلامی تہذیب کا ہے۔ اسلامی تہذیب کی اساس بھی اس کے مذہبی عقائد ونظریات پر ہے مگر اس نے دوسری تہذیبوں سے اخذ واستفادہ بھی کیا ہے اور ان کے اثرات کو بھی اپنے اندر جذب کیا ہے۔ جذب وانجذاب کے اس عمل میں اسلامی تہذیب کے غیر متعصب انداز نظر نے اس میں وسعت پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسلامی تہذیب ہر شعبۂ زندگی کو ترقی سے ہمکنار کرتی ہے۔ اسلام دنیا کے جس خطے میں گیا وہاں کے مثبت عناصر کو اس نے اپنی تہذیب کا حصہ بنایا اور منفی پہلوؤں سے اجتناب برتا۔ اس طرح اسلامی تہذیب کی وسعت قلبی، رواداری اور فراخ دلی نے اسے ایک انقلابی رجحان اور تخلیقی روح بخشی ہے(۹)۔ تہذیبوں کے درمیان کسب واستفادہ کا عمل ہمیشہ جاری رہتا ہے اور یہ یہی اخذ واستفادہ ان کی زندگی کا ضامن ہوتا ہے۔ اپنے خول میں بند ہو جانے والی تہذیبیں جلد یا بدیر صفحۂ ہستی سے مٹ جاتی ہیں۔ اسلام میں حکمت کو مومن کی گمشدہ میراث قرار دے کر دنیا بھر سے اچھی اور مستحسن شے کو قبول کرنے اور اپنانے کی ترغیب دی گئی ہے۔ لہٰذا اسلامی تہذیب نے شعوری اور ارادی طور پر دوسری تہذیبوں کی مستحسن باتوں کو سیکھا اور اپنایا ہے(۱۰)۔ مسلم تہذیب کا اہم

پہلو یہ ہے کہ مسلمان دنیا کے جس خطے میں بھی گئے، ان علاقوں کو اپنا وطن سمجھا اور 'ہر ملک ملکِ ماست، کہ ملکِ خدائے ماست' کے نظریے کے تحت جغرافیائی حدود کی نفی کی جس کے باعث اسلامی تہذیب میں جذب و انجذاب کا عمل ہمیشہ جاری رہا۔ لہٰذا آج مختلف مسلم ممالک میں مسلمانوں کی تہذیبیں طرزِ حیات، رسوم ورواج اور روایات کے اعتبار سے متنوع رنگوں کا نقشہ پیش کرتی ہیں۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ انہوں نے ہر ملک کے مادی وسائل اور رجحانات کو اسی حد تک قبول کیا جس حد تک وہ ان کے عقائد و مذہب کے بنیادی افکار ونظریات سے متصادم نہ تھے۔ ہندوستان زمانہ قدیم سے ہی مختلف اقوام اور نسلوں کا مسکن رہا ہے۔ مسلمانوں کے سوا دیگر تمام نو وارد اقوام نے یہاں کی تہذیبی فضا میں جذب ہو کر اپنا جداگانہ تشخص کھو دیا۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کا خیال ہے کہ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ وہ اقوام اپنی تہذیب کے ابتدائی دور سے گزر رہی تھیں یا نیم تہذیبی حالت میں تھیں، اس کے برعکس مسلمان اپنی مکمل اور ترقی یافتہ تہذیب کے حامل تھے لہٰذا وہ جب یہاں آئے تو انہوں نے نہ صرف یہ کہ اپنا جداگانہ تشخص برقرار رکھا بلکہ اسلام کی انقلابی روح اور معتدل اصولوں نے یہاں کی مقامی آبادی کو متاثر کیا۔ روزمرہ زندگی میں لین دین اور میل جول سے اسلامی تہذیب اور ہندوستانی تہذیب کے مابین اخذ و قبول سے ایک نئے تہذیبی دھارے کا آغاز ہوا جسے ہند ایرانی یا مشترک ہندوستانی تہذیب قرار دیا گیا(۱۱)۔ اس مشترک ہندوستانی تہذیب کے باوصف مسلمان ہندوستان کی دیگر اقوام سے تہذیبی وثقافتی سطح پر ممتاز حیثیت کے حامل رہے اور اسی مخصوص اسلامی تہذیب کے تشخص کی حفاظت کے لیے انہوں نے اپنے لیے جداگانہ وطن کا مطالبہ کیا۔

درحقیقت اسلامی تہذیب ہندوستانی ہوتے ہوئے بھی مسلم تہذیب تھی جو ہندو اکثریت کی تہذیب سے فکری اور نظری طور پر یکسر مختلف تھی۔ قدیم ہندوستانی تہذیب اور نو وارد مسلم تہذیب کا آپس میں کئی نقاط پر تعامل ہوا اور دونوں ایک دوسرے سے سیاسی اور مجلسی سطح پر متاثر ہوئیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ رہنے سہنے، لباس، کھانے پینے، آرائش وزیبائش، تعمیرات، علوم وفنون اور کھیل کود میں مسلم تہذیب نے قدیم ہندوستانی تہذیب کو متاثر کیا اور ہندی دیو مالا، لوک گیتوں، قصے کہانیوں اور زبان و بیان نے مسلم تہذیب پر گہرا اثر ڈالا۔ مگر یہ اثر و نفوذ فلسفیانہ اور فکری سطح پر نہیں بلکہ سماجی سطح پر ہوا۔ اس طرح مسلم تہذیب ہندوستانی تہذیب سے اشتراک کے باوجود ممتاز بھی ہے اور یہی حال دیگر تہذیبوں کا بھی ہے جن کے اثرات مسلم تہذیب نے قبول بھی کیے اور اپنی انفرادیت کو بھی قائم رکھا۔ یوں مسلم تہذیب میں وحدت میں کثرت پیدا ہوتی ہے جس کا اپنا ایک بڑا، بنیادی اور وسیع دائرہ ہے، جس میں مختلف مقامی تہذیبوں کے دائرے اپنا اپنا رنگ دکھاتے نظر آتے ہیں۔ انتظار حسین پاکستانی تہذیب کو تین دائروں میں منقسم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''وحدت میں کثرت کا تجربہ مسلمان قوم نے اپنی تاریخ میں بار بار کیا ہے۔ پاکستان میں ہمیں اس سے خوف کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اصل میں ہماری قومی زندگی کئی دائرے بناتی ہوئی چلتی ہے۔ پاکستان میں مختلف علاقوں کے مختلف رنگ ہیں۔ ان کے درخت اور پرندے اور ندی نالے ایک دوسرے سے تھوڑا تھوڑا الگ ہیں۔ اس فضا میں ان کا رہن سہن، ان کے گیت، ان کی محبتیں اور نفرتیں کسی قدر الگ الگ رنگ اختیار کر گئی ہیں۔ پھر مہاجرین ہیں جو اپنے درختوں اور اپنی چڑیوں کی یادیں اپنے ہمراہ لائے ہیں۔ یہ علاقائی تہذیب کا دائرہ ہے۔ علاقوں کے الگ الگ

رنگ نے ان لوگوں کی زندگی کو الگ الگ اسلوب پر ضرور ڈھالا ہے مگر ان کے عقائد وخیالات کا سرچشمہ مشترک ہے اور چونکہ یہ سرچشمہ ایک ایسا مذہب ہے جس کے اثرات صرف ظاہری سطح پر نہیں ہوتے بلکہ ذات کی گہرائی میں سرایت کر جاتے ہیں۔اس لیے ان علاقائی تہذیبوں کی تہہ میں ایک روحانی اور فکری وحدت کام کر رہی ہے۔اس روحانی اور فکری وحدت سے ہماری قومی تہذیب عبارت ہے۔یہ ہماری زندگی کا دوسرا دائرہ ہے۔یہ دوسرا دائرہ آخری منزل نہیں ہے کیونکہ اسلامی نظام تصورات مختلف دوسرے خطوں میں بھی کارفرما ہے اور وہاں بھی اس نے اجتماعی زندگی کو اسی طرح متاثر کیا ہے تو اس لیے مختلف خطوں میں یہ پھیلی ہوئی وحدتیں ایک سطح پر گھل مل کر ایک وسیع تر وحدت بن جاتی ہیں۔یہ ہماری زندگی کا تیسرا دائرہ ہے۔ان تین دائروں سے ہماری تہذیب کی عمارت عبارت ہے۔''(۱۲)

تہذیب کے اجزائے ترکیبی اور عناصر میں مذہب اور عقیدے کے بعد اس معاشرے کی سماجی اقدار بنیادی اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔یہ اقدار کسی مجلس شوریٰ میں وضع کی جاتی ہیں اور نہ ہی ان کا نفاذ کسی قانون کے ذریعے کیا جاتا ہے۔یہ کسی سماج کی طویل تاریخی روایات اور جدوجہد کا حاصل ہوتی ہیں(۱۳)۔پس سماجی اقدار نظام زندگی میں وہ ضابطہ حیات اور اصول ہیں جنہیں سماج کی توثیق اور افراد معاشرہ کی اکثریت کا استناد حاصل ہوتا ہے۔افراد معاشرہ کے لیے ان اقدار کی پابندی ایک اخلاقی فریضہ تصور کی جاتی ہے اور ان سے روگردانی کو ناپسندیدہ قرار دیا جاتا ہے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ تہذیب کے اجزائے ترکیبی اور عناصر میں زندگی کے جملہ مظاہر اور تمدن کے تمام پہلو شامل ہیں جن سے قومیں اور تہذیبیں ایک دوسرے سے ممتاز ہوتی ہیں۔ڈاکٹر سید عبداللہ کلچر کو کسی سماج کی تنظیم اور اس کے ذوق لطیف پر مشتمل قرار دیتے ہیں جس سے یہ زندگی کے تمام لوازمات یعنی رہن سہن،میل جول اور کھانے پینے کے آداب،شادی وغمی کے رسوم ورواج مجلسی زندگی کے انداز،میلوں ٹھیلوں،عوامی مشاغل اور فنون لطیفہ پر محیط ہو جاتا ہے(۱۴)۔ڈاکٹر انور سدید بھی تہذیب کی تشکیل میں کسی قوم کے روحانی،جغرافیائی اور مادی عوامل کا ذکر کرتے ہوئے زندگی اور اطراف زندگی کے جملہ مظاہر کو شامل کرتے ہیں(۱۵)۔

ثقافت دراصل تہذیب کا ذوقی حصہ ہے،یہ تہذیب کا خارجی مظہر ہوتی ہے اور اس کے عملی پہلو اور تخلیقی رخ کو پیش کرتی ہے۔لہٰذا ثقافت کے یہ مظاہر فن تعمیر،خطاطی،مصوری،دست کاریوں،موسیقی اور علوم وفنون وغیرہ میں دکھائی دیتے ہیں۔اسلامی ثقافت ہی اسلامی تہذیب کو دوسری تہذیبوں سے ممتاز کرتی ہے۔یہ خاجی مظاہر کسی بھی تہذیب کے فکری پہلو کی تشریح وتوضیح بھی کرتے ہیں۔دراصل ثقافت میں اس تہذیب کی روح جاری وساری نظر آتی ہے۔اسلامی ثقافت کی اس نمایاں خوبی کے بارے میں ڈاکٹر مشتاق احمد گورایا لکھتے ہیں:

''تہذیب اسلامی نہ صرف منفرد وممتاز ہے بلکہ تخلیقی بھی ہے۔اس خلاقی کا مشاہدہ مسلمانوں کے علوم وفنون اور تمدنی آثار میں بخوبی کیا جاسکتا ہے۔فن تعمیر، خطاطی، شاعری، ادب، تاریخ، قانون،عمرانی وطبعی علوم مجلسی آداب و اطوار، مذہبی تہوار،حرب وضرب،امن وسلامتی،غرضیکہ

معاشرتی زندگی کے سارے شعبوں میں تخلیقی شواہد بکھرے پڑے ہیں۔"(۱۶)

تہذیب باطن ہے تو ثقافت اس کا ظاہر ہے، تہذیب نظریہ ہے تو ثقافت عمل، تہذیب مقصد ہے تو ثقافت حاصل۔ یوں تہذیب و ثقافت عقیدہ و عمل کے امتزاج کا نام ہے، اسی لیے ان دونوں الفاظ کو ہمیشہ اکٹھے استعمال کیا جاتا ہے۔ ثقافت کسی قوم اور تہذیب کے جمالیاتی رخ کو پیش کرتی ہے اور یہ جمالیاتی رخ اس تہذیب کے فکری رجحان کی نشاندہی کرتی ہے۔ مثلاً اسلامی ثقافت میں مساجد کے در و بام، میناروں اور دیگر عمارتوں میں پھولوں اور پتیوں کے نقوش اور خطاطی کے نمونے جہاں اس کے جمالیاتی رخ کو پیش کرتے ہیں وہیں پھولوں کی یہ نقش گری اسلامی تہذیب کے فطرت سے گہرے تعلق کو بھی ظاہر کرتا ہے (۱۷)۔ مختصر یہ کہ مسلمانوں نے تہذیب کے میدان فکر، میدان عمل اور میدان تخلیق میں اپنے کمال کے جوہر دکھائے ہیں۔ اگرچہ بعض اوقات اس کے کچھ پہلو تنقید کی زد میں بھی آئے، جیسے پاکستانی تہذیب و ثقافت میں موسیقی اور مصوری کے وجود پر اکثر سوالات اٹھائے گئے، اور اس بارے میں متضاد قسم کی آرا بھی سامنے آتی رہی ہیں۔ تاہم اسلامی تہذیب میں موسیقی کا وجود ہمیشہ شامل رہا ہے کیونکہ ساز و آہنگ اور ترنم و لے سے لگاؤ انسانی فطرت میں شامل ہے اور اسلامی تہذیب انسانی فطرت کا احترام کرتی ہے۔ قرآن مجید کی آیات میں ایک دلکش آہنگ موجود ہے جو قرآن مجید کا اعجاز ہے۔ تلاوت قرآن اور اذان میں قاری اور مؤذن کا لحن سامعین کے دلوں کو گرماتا اور روحوں کو بیدار کرتا ہے۔ مشاہدۂ فطرت سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ کائنات کی ہر شے میں ایک قدرتی آہنگ موجود ہے۔ پہاڑوں سے گرتے چشمے ہوں یا دریاؤں میں ملتے ندی نالے، زمین پر بہتے جھرنے ہوں یا آسمان پر گرجتے بادل، ہواؤں میں جھومتے اشجار ہوں یا اشجار پر چہچہاتے طیور، قدرت نے ہر شے کو ایک آہنگ اور موسیقیت بخشی ہے۔ امام غزالی پرندوں کو قدرت کے موسیقار قرار دیتے ہیں اور صوفیا موسیقی کو ایک مقدس فن سمجھتے ہیں۔ تاہم وہ موسیقی کے ساتھ کچھ شرائط بھی لاگو کرتے ہیں۔ جب موسیقی کا رشتہ شہوت انگیزی اور تعیش سے جا ملے اور یہ شاہد و شراب کی ہم رکاب بن جائے تو صوفی اسے حرام قرار دیتے ہیں۔ دراصل اسلامی تہذیب زندگی کو فرحت و نعمت کے ساتھ ساتھ ایک اہم فریضہ بھی قرار دیتی ہے اور ہر اس شے پر پابندی عاید کرتی ہے جو انسانی قویٰ میں ضعف اور وقار انسانیت کو ٹھیس پہنچانے کا باعث ہو (۱۸)۔

پاکستانی تہذیب میں خانقاہوں، درگاہوں اور صوفیا کا بھی ایک اہم مقام ہے اور ان سے عقیدت اور محبت کی جڑیں عوام کے دل میں نہایت گہری ہیں۔ یہ صوفیا تبلیغ اسلام کے لیے مختلف ممالک سے برصغیر میں آئے اور مختلف علاقوں میں پھیل گئے۔ درویش منش، سادہ اور پاک طینت یہ صوفیا پڑھے لکھے اور صاحب تقویٰ بزرگ تھے جن کا مقصد اسلام کی تبلیغ اور مسلک انسان سے محبت تھا۔ ان کا تعلق سلطانوں اور بادشاہوں سے نہیں بلکہ عوام سے تھا اور ان کے مخاطب بھی بادشاہ یا درباری نہیں بلکہ عوام تھے۔ ان بزرگوں کی اپنی زندگیاں محبت، سادگی، رواداری، انسانی ہمدردی، مساوات، خلوص اور تقویٰ کا نمونہ تھیں۔ ان کی زندگیوں کے تکلفات سے پاک نمونے نے ایسے طرز حیات کو پیش کیا جس میں باطن کی صفائی اور عمل کی پاکیزگی بنیادی جزو تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بہت جلد عوام میں مقبول ہو گئے اور ان کی تعلیمات کی بدولت ہی برصغیر کے عوام اسلام کی طرف راغب ہوئے۔ مسلمان ہی نہیں غیر مسلم بھی ان صوفیا سے متاثر تھے اور ان سے محبت اور عقیدت رکھتے تھے۔ دہلی میں حضرت نظام الدین اولیا کا مزار اس بات کا بین ثبوت ہے جہاں ہر روز سینکڑوں زائرین بلا

تفریق مذہب وملت حاضر ہوتے ہیں۔ پاکستانی تہذیب میں ان اولیا اور صوفیا سے عقیدت ومحبت اور ان کی درگاہوں کا احترام لازمی جزو ہے۔ ان صوفیا نے یہاں کی تہذیب وثقافت کی تشکیل میں ہی نہیں بلکہ تعمیر میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ صوفیا اور اولیا کی خدمات کو سراہتے ہوئے سید فیضی لکھتے ہیں:

''اس حقیقت سے مجال انکار نہیں کہ اسلام کو مقبول عام بنانے میں ان کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ انہوں نے سادہ زندگی اختیار کرنے، تقرّب الٰہی پانے، صداقت کی خوبیاں اپنانے، اخوت انسانی کو ترقی دینے، باہمی حقوق وفرائض کو بجالانے اور سب سے بڑھ کر عبادت خداوندی میں سرگرم رہنے کی جو تعلیم دی ہے، وہ ان کی پاک زندگیوں کا ماحصل ہے۔ کسی نئے خیال پر جدید تصور کی تخلیق ان کا مقصود نظر نہیں تھا جو برصغیر کی ثقافتی سرگرمیوں کا باعث بنتا لیکن اس کے باوجود ان دونوں شعبوں میں جو کارہائے نمایاں اور عظیم خدمات انجام دی ہیں، انہیں بھلایا نہیں جاسکتا۔ ان کے اکثر وبیشتر عوامی رابطوں ہی کی وجہ سے ایک مشترک قومی زبان نے جنم لیا۔ علاقائی بولیاں بھی انہیں بزرگوں کے دم قدم سے پھلتی پھولتی رہیں اور یہی وہ موزوں وقت تھا جب کہ مختلف قومیتوں کے بڑھتے ہوئے سیاسی، لسانی، ثقافتی اور روحانی ارتباط سے ایک احساس وحدت اور شعورِ یگانگت پرورش پاتا رہا۔''**(۱۹)**

پاکستانی ثقافت میں مافوق الفطرت اور لاشعوری مظاہر جیسے خوابوں کی تعبیر، اچھے اور برے شگون، بھوت پریت، ہاتھوں کی لکیروں اور ستاروں کی گردش سے قسمت کا حال معلوم کرنا، جنم پتریاں بنوانا وغیرہ بھی کسی نہ کسی حد تک شامل ہیں۔ جوگیوں، سادھوؤں اور فقیروں کا احترام کیا جاتا ہے اور ان کی بددعا اور ناراضگی کو نقصان دہ تصور کیا جاتا ہے۔ اسی طرح پرانے اشجار اور بعض جانوروں اور پرندوں کے حوالے سے توہم پرستی بھی عوام کے مزاج میں شامل ہے۔ آج بھی کسی گھر کی منڈیر پر الو کا بولنا منحوس تصور کیا جاتا ہے تو کوے کا بولنا کسی مہمان کی آمد کی پیش گوئی سے عبارت ہے۔ گھروں میں تیتر اس لیے پالا جاتا ہے کہ وہ اپنے مالک پر آنے والی مصیبت کو اپنے اوپر لے لیتا ہے اور اگر ہاتھی جھومنا بند کردے تو اسے کسی آفت کی پیش گوئی سمجھا جاتا ہے۔ اردو زبان میں 'الو بولنا'، 'ہاتھی جھومتا ہی بھلا' جیسے محاورے تہذیب کے اسی توہم پرستانہ پہلو کی عکاسی کرتے ہیں۔ اسی طرح بلبل کی چہکار اور کوئل کی کوک سے یہاں کے انسانوں کی جذباتی کیفیات منسلک ہیں جن کا اظہار یہاں کے فنون لطیفہ میں واضح طور پر دکھائی دیتا ہے۔ صدیوں سے یہ چیزیں انسان کے لاشعور کا حصہ ہیں۔ آج بھی بعض اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ بھی کسی نہ کسی حد تک ان پر یا ان میں سے بعض پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ پاکستانی ثقافت کی تاریخ میں یہ توہمات انسانی شعور کے ابتدائی ایام کی نشانیاں ہیں جب انسان اپنے اردگرد کے ماحول کی عقلی ومنطقی توجیح سے قاصر اور بغاوت اور مقابلے سے معذور تھا **(۲۰)**۔ جادوٹونے کا رواج قدیم مصری، عربی اور یونانی تہذیبوں میں بھی موجود تھا۔ خود عربوں میں جادوٹونے کا رواج تھا اور نبی کریم محمدؐ کی ذات مبارکہ پر ایک یہودی عورت نے جادو کر دیا تھا جس پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ فلق اور سورۃ الناس کو نازل فرما کر اس جادو کا توڑ بتایا۔ ہندوستانی تہذیب میں زمانۂ قدیم ہی سے جادوٹونے کا رواج رہا ہے۔ اور آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی انسان ایسے سفلی عملوں سے دوسروں کو

نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ڈاکٹر وزیر آغا پاکستانی تہذیب کے ان عناصر کا تعلق وادیٔ سندھ کی قدیم تہذیب سے جوڑتے ہیں اور اسے مزاجاً ایک مادری تہذیب کا نام دیتے ہیں۔اس تہذیب کے زیر اثر آج بھی تعویذ گنڈے،ٹونے ٹوٹکے اور قبر پرستی وغیرہ جیسی رسوم عوام میں مروج ہیں اور ان میں سے بیشتر کو مذہبی رسوم کی حیثیت حاصل ہے (۲۱)۔

ہندوستان میں مسلم تہذیب کے آغاز و تشکیل میں یہ نکتہ اہم ہے کہ مسلمانوں نے اسی سرزمین کو اپنا وطن تسلیم کیا اور یہاں کی مقامی تہذیب،روایات،علوم و فنون اور رسوم رواج کو اپنی روزمرہ زندگی میں رواداری کے ساتھ برتا۔اکثریتی آبادی کے رسوم و رواج کے سلسلے میں اقلیت کی یہ رواداری ایک سماجی ضرورت بھی تھی اور سیاسی و انتظامی حکمت عملی بھی۔ یہی وجہ ہے کہ اکبر اپنی رواداری کے باعث آج بھی ہندوؤں کا ہیرو ہے جبکہ محمود غزنوی،اورنگزیب ان کی تاریخ میں ناپسندیدہ قرار دیے جاتے ہیں۔متحدہ ہندوستان پر حکومت کرنے کے لیے اقلیت کی حامل مسلمان قوم کی سماجی و تہذیبی سطح پر یہ رواداری اولین سماجی ضرورت تھی لہذا دونوں قوموں نے مل کر ایک ایسی ہندوستانی تہذیب کی تشکیل اور ترویج کی جس کے بنیادی سماجی خصائص دونوں اقوام کے لیے قابل عمل تھے۔لہذا تہذیبی اخذ و استفادے کے ردعمل کے نتیجے میں پیدائش،شادی بیاہ اور مرگ کی رسمیں،مسلمانوں میں بھی راہ پا گئیں،اوہام و توہمات پر یقین کیا جانے لگا اور مذہبی تہواروں میں بھی ہندوؤں کی تقلید میں بہت سی اشیا کو اپنا لیا گیا۔ہندوؤں نے السلام علیکم اور مسلمانوں نے نمستے سے بچاؤ کی خاطر ملنے ملانے کی سماجی ضرورت کو'آداب عرض' اور 'تسلیمات' کی شکل میں پورا کیا اور یوں ایک نئی تہذیب کی تشکیل ہوئی جسے اردو کی تہذیب کہا جا سکتا ہے۔جب تک یہ تہذیب دونوں قوموں کے لیے قابل قبول رہی ہندوستان متحد رہا،جیسے ہی اس کے خلاف اکثریت نے متعصب رویہ اپنایا،دونوں قوموں کے راستے جدا ہو گئے۔تاریخ اور سماج مسلسل ارتقائی عمل سے گزرتے رہتے ہیں،سو وقت کے ساتھ ساتھ بہت سے تبدیلیاں رونما ہوئیں جنہوں نے تہذیب کو بھی ایک ارتقا اور تغیر سے دوچار رکھا۔انگریزوں کی آمد اور نوآبادیاتی نظام کے قیام نے ہندوستانی تہذیب پر مغربی تہذیب کے اثرات مرتب کیے اور تہذیبی آمیزش نے تہذیبی و ثقافتی آویزش کی صورت اختیار کر لی جس کے تحت ہندوستانی مسلمانوں کو اپنے تہذیبی شعائر کی حفاظت کے لیے ایک الگ ملک کے قیام کی ضرورت کا احساس ہوا کیونکہ کسی بھی تہذیب کو اپنی بقا کے لیے ایک مضبوط تمدن کی ضرورت ہوتی ہے۔تمدن ہی کسی تہذیب کے تشخص کا اظہار ہوتا ہے اور اس کے لیے ایک ایسی حکومت کے قیام کی اشد ضرورت ہوتی ہے جو اس تہذیب کی روایات اور بنیادی ضرورتوں سے محض آگاہ ہی نہ ہو بلکہ ان سے لگاؤ بھی رکھتی ہو اور ان کے تحفظ کے لیے نیک نیتی سے کوشاں ہو۔لہذا پاکستان کے قیام کا مطالبہ ایک مذہب کی حفاظت کے لیے نہیں بلکہ اس مذہب کی پیدا کردہ تہذیب کی حفاظت کے لیے تھا کیونکہ مذہب کی حفاظت تو مسلمانوں نے اس وقت بھی کی جب وہ مکہ میں کفار کے مقابلہ میں تعداد میں بہت کم تھے۔مذہب تو اس وقت بھی قائم رہا جب مسلمانوں نے عرب سے نکل کر شام،ایران اور روم کو فتح کیا اور ان بڑی مملکتوں میں ان کے مقامی باشندوں کے ساتھ قیام پذیر ہوئے۔مذہب تو اس وقت بھی قائم رہا جب محمد بن قاسم کے ساتھ ہندوستان میں معدودے چند مسلمان یہاں رہے۔پاکستان کی تہذیب کو عرب،مشرق وسطیٰ اور وادیٔ سندھ کی قدیم تہذیب کا ملغوبہ قرار دیا جا سکتا ہے جس میں سماجی اور مجلسی سطح پر مختلف تہذیبوں کے اثرات کو نمایاں طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔یہ اثرات یہاں کی عوام کے کھانے پینے،طرز بود و ماند،مشاغل،

اندازِ آرائش و زیبائش، علوم و فنون اور اوہام و رسوم میں پائے جاتے ہیں۔ تاہم یہ حقیقت اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ اس تہذیب کی بنیاد اور اصل اسلام ہے۔ پاکستان کی تہذیب کا عنوان اسلامی تہذیب ہی ہے اور اس میں دوسری تہذیبوں کے اثرات و نفوذ کو اسی حد تک قبول کیا گیا ہے جس حد تک اسلام کی رواداری نے اجازت دی ہے۔

تہذیب ایک کلی عمل کا نام ہے جو زندگی کے جملہ پہلوؤں پر محیط ہے۔ اس میں کسی قوم کے زندگی گزارنے کے طریقے، خوشی اور غمی کے رسم و رواج، اخلاقی اقدار اور مذہبی عقائد سب چیزیں شامل ہیں۔ مثلاً اسلامی تہذیب میں بچے کی پیدائش پر اس کے کان میں اذان دینا جہاں ایک طرف مذہبی فریضہ ہے، وہیں تہذیب کا حصہ بھی ہے۔ اسی طرح ہمارے کھانے پینے کی عادات بھی تہذیب میں شامل ہوتی ہیں۔ جیسے بیٹھ کر کھانا کھانا، کھڑے ہو کر پانی نہ پینا، دائیں ہاتھ سے کھانا کھانا، اپنے کھانے کو برتن کو صاف کرنا یعنی کھانا پلیٹ میں نہ بچانا وغیرہ تہذیبی اقدار ہیں۔ اسی طرح ہمارے روایتی پکوان بھی تہذیب کا حصہ ہیں۔ مخصوص مواقع پر مخصوص پکوانوں کی تیاری اپنا مخصوص تہذیبی پس منظر رکھتی ہے جس کی بنیادیں مذہبی اور تاریخی روایات میں بآسانی تلاش کی جا سکتی ہیں۔ لہٰذا شب برات کے حلوے اور کونڈوں کی نیاز کے لیے پکائے گئے حلوے کے اہتمام میں خاصا فرق دکھائی دیتا ہے۔ اب جدید نسل مغربی کھانوں کی دلدادہ اور روایتی کھانوں کے ناموں سے بھی ناواقف ہے۔ ایک طرف معاشرے میں فوڈ پوائنٹس اور فائیو سٹارز ہوٹلوں کی تعداد اور ان کی رونق میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے تو دوسری طرف ہمارے دسترخوان رنگا رنگ مشرقی پکوانوں سے محروم ہو گئے ہیں۔ اسی طرح بچے کی پیدائش پر زچہ کے لیے بنائے جانے والے کھانوں کے مخصوص نام اور پکانے کے خاص طریقے مقرر تھے۔ جدید مغربی تہذیب کے زیرِ اثر اب پیدائش گھروں کی بجائے اسپتالوں میں ہونے لگی اور پیدائش کے حیاتیاتی عمل سے زچہ و بچہ سے متعلق جو رسوم و رواج وابستہ تھے وہ تہذیب سے یکسر خارج ہو گئے۔ لہٰذا اب نئی نسل کی "Diet Conscious" طرح دار خواتین بچے کی پیدائش پر سٹھوارا اچھوانی کھانے کی روادار ہیں اور نہ ہی زچہ خانے کے اہتمام کے جھنجھٹ میں مبتلا۔ انتظار حسین میٹرنٹی ہومز اور فائیو سٹارز ہوٹلوں کو پاکستانی تہذیبی زوال کا باعث قرار دیتے ہیں (۲۲) جن کی وجہ سے جدید نسل اپنی تہذیب کے روایتی مگر دلکش رنگوں سے محروم ہو گئی ہے۔

تہذیب کے اجزائے ترکیبی اور عناصر کی بحث کے علاوہ ایک اہم پہلو پاکستانی تہذیب کے مراکز کا تعین ہے۔ اس سلسلے میں اکثر و بیشتر دانشوروں کی طولانی بحثوں کے بعد بھی بات وہیں آ کر رک جاتی ہے، جہاں سے شروع ہوئی تھی۔ جہاں ایک طرف ایک خاص تہذیب کے تحفظ کے لیے ایک علیحدہ ملک کے قیام کا مطالبہ تھا وہیں جب وہ ملک وجود میں آ گیا تو اسی تہذیب کو ایک سوالیہ نشان بنا دیا گیا کہ کونسی تہذیب پاکستانی تہذیب ہے؟ اس کے خدوخال کیا ہیں؟ اس کا آغاز کہاں سے اور کیونکر ہوتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ کچھ دانشور پاکستان کی موجودہ جغرافیائی حدود کو ہی پاکستانی تہذیب کا مولد و منشا ٹھہراتے ہیں تو کچھ حضرات اس بات پر نوحہ خواں ہیں کہ تہذیب کے سارے مراکز تقسیم کی نذر ہو گئے اور ہندوستان میں رہ گئے۔ شیخ محمد اکرام پاکستان کو اپنی تہذیب اور ثقافت کے فنی کارناموں کا وارث ہونے پر فخر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہی ذہنی میلان آخر کار مطالبۂ پاکستان کا محرک بنا، یعنی ایک ایسے ملک کے مطالبے کا محرک

جہاں ہندوستانی مسلمانوں کی اکثریت ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کر سکے جس میں ان کی اپنی اقدار و روایات کارواں ہو۔اس لحاظ سے پاکستان بالکل قدرتی طور پر برصغیر ہندو پاکستان کے مسلمانوں کی ثقافتی روایات اور ان کے فنی کارناموں کا وارث بن گیا۔اس سے قطع نظر مسلمانوں کے ہندوستان کی ثقافتی نشوونما میں خود ان لوگوں نے کچھ کم حصہ نہیں لیا تھا جو موجودہ پاکستانی علاقوں ہی میں پیدا ہوئے تھے اور جنھوں نے یہیں پرورش پائی تھی۔صرف مغل عہد حکومت ہی پر نظر ڈالیے۔ابوالفضل اور فیضی سندھ سے آئے تھے اور جیسا پہلے ذکر ہو چکا ہے،خود اکبر بھی اسی صوبے میں پیدا ہوا تھا۔سعداللہ خان جو مغلیہ عہد کا غالباً قابل ترین وزیراعظم تھا،وہ چنیوٹ (پنجاب) کا رہنے والا تھا اور عبدالحکیم جو ایک بہت بڑا فاضل اور جہانگیر کے دارالسلطنت کی سب سے بڑی درس گاہ کا صدر تھا،اس کا مولد ومنشا سیالکوٹ تھا،یہاں تک کہ دہلی کے قلعے اور آگرے کے تاج محل کے معمار اور شہنشاہ شاہ جہاں کے میر عمارات استاد احمد اور استاد حامد بھی لاہوری تھے۔"(۲۳)

اس کے برعکس 'اسلامی تہذیب کے گہوارے' کے مصنف خواجہ جمیل احمد پاکستان کے موجودہ علاقوں کو تہذیبی اعتبار سے تہی دست سمجھتے ہیں اور جملہ تہذیبی نشانات،اداروں اور مراکز کے ہندوستان میں رہ جانے پر افسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تقسیم ہندو پاکستان کا یہ سب سے بڑا المیہ ہے کہ اس برصغیر کے درخشاں ماضی کے تقریباً سارے نشانات اور یادگاریں ان حصوں میں رہ گئیں جو ہندوستان کے حصے میں آئے۔یہ عجیب بات ہے کہ ہماری ایک ہزار سالہ شاندار تاریخ میں علوم وفنون،تہذیب وتمدن کے سرچشمے ان علاقوں سے پھوٹے جہاں مسلمان اقلیت میں تھے،اور اسلامی ہند کی نشاۃ ثانیہ اور جدوجہد آزادی کے مراکز بھی انہی علاقوں میں تھے جو بھارت کے حصے میں آئے۔"(۲۴)

مقام حیرت ہے کہ فاضل مصنف کو بشمول پنجاب یونی ورسٹی،گورنمنٹ کالج اور کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج، لاہور کے نام ور تعلیمی ادارے نظر آئے نہ اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور،اسلامیہ یونیورسٹی پشاور،سندھ مدرستہ الاسلام کراچی اور زرعی یونیورسٹی فیصل آباد جیسی درس گاہیں۔لکھتے ہیں:

"اسلامی علوم وفنون اور درس وتدریس کو لیجیے تو اس کے تقریباً سارے ادارے اور نشانات انہیں علاقوں میں ملتے ہیں جو بھارت کے حصے میں آئے۔"(۲۵)

اس کے ساتھ ساتھ موصوف نہ صرف حضرت سچل سرمستؒ،حضرت بابا بلھے شاہؒ،حضرت مست توکلیؒ،حضرت داتا گنج بخشؒ،حضرت وارث شاہؒ،حضرت بہاء الدین زکریاؒ،حضرت بابا غلام فریدؒ جیسے صوفی شاعروں کو نظر انداز کرتے ہیں بلکہ یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ خود قائداعظم کراچی میں پیدا ہوئے تھے۔لکھتے ہیں:

"اسلامی تہذیب وتمدن کے بیشتر مراکز دہلی،لکھنؤ،جون پور،رام پور،عظیم آباد،بدایوں،بلگرام اور علی گڑھ بھارت کے حصے میں آئے۔ادب کی جانب نگاہ اٹھایئے تو اقبال کے علاوہ ساری عظیم

شخصیتیں انہیں علاقوں سے تعلق رکھتی ہیں جو ہندوستان میں رہ گئے۔''(۲۶)

ہجرت ہمیشہ سے مسلمانوں کی میراث رہی ہے۔ یہ ایک مذہبی فریضہ بھی ہے اور انبیائے کرام کی سنت بھی۔ مسلمانوں کی تاریخ گواہ ہے کہ انہوں نے ہمیشہ تبلیغ اسلام، اشاعت اسلام، جہاد، تجارت اور حصول علم کے لیے ہجرت کو اپنا شعار بنایا۔ پھر وہ دنیا کے جس علاقے میں گئے وہاں کے بعض تہذیبی عناصر کو نہ صرف اپنایا بلکہ وہاں کی تہذیب کو اپنے عقائد، زبان، رسوم ورواج اور طرز فکر وعمل سے متاثر بھی کیا۔ اسلامی تہذیب میں جو وسعت پیدا ہوئی ہے، اس کی ایک بڑی وجہ ہجرت ہی رہی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ہجرت ہمیشہ نامساعد اور ناگزیر حالات میں ہوتی ہے اور مہاجرین کو نئے معاشرے سے مطابقت کے لیے اپنی روایات واقدار اور زبان کی قربانی دینا پڑتی ہے۔ اس عمل سے قومیں تشکیل جدید کے مرحلے سے گزرتی ہیں اور بعض اوقات نئی تہذیب وثقافت کو جنم دیتی ہیں (۲۷)۔ تقسیم برصغیر کے بعد جب ہندو مسلم فسادات نے سر اٹھایا تو مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد نے لکھنؤ، دلّی، رام پور، الٰہ آباد اور مشرقی پنجاب سے ہجرت کر کے پاکستان میں پناہ لی۔ فطری طور پر وہ اپنے ساتھ اپنی مخصوص زبان، لب ولہجہ، طور اطوار اور تہذیبی روایات بھی ساتھ لائے۔ اب ایسا تو ممکن نہیں تھا کہ علی گڑھ، رام پور، دلّی، حیدر آباد، لکھنؤ اور بلند شہر وغیرہ سے آنے والے یہ حضرات آتے ہی پاکستان کی علاقائی زبانیں سندھی، پنجابی، سرائیکی، بلوچی، پوٹھوہاری اور پشتو بولنا شروع کر دیتے۔ زبان، لب ولہجہ، لباس، کھانے پینے کے طور اطوار اور ذائقے صدیوں کے تاریخی ارتقا کا نتیجہ ہوتے ہیں اور آہستہ آہستہ تبدیلی کو قبول کرتے ہیں اور ہندوستان سے آنے والے مہاجرین ایک تاریخی عمل سے گزر کر ایک نئی قوم اور تہذیب کی تشکیل کر رہے تھے۔ مگر ہوا یہ کہ قیام پاکستان کے بعد مہاجرین اور مقامی ادبا کی گروہ بندیوں اور تہذیبی ولسانی حد بندیوں کے باعث پاکستانی قومیت اور تہذیب میں جذب وانجذاب کا یہ عمل بھی تہذیبی انتشار کا باعث بنا۔ مہاجرین نے اپنے اپنے علاقائی تہذیبی وثقافتی رنگوں سے مقامی تہذیب کی رگوں میں نیا خون داخل کیا مگر مقامی سطح پر اسے ایک طرح کی ثقافتی یلغار سمجھا گیا۔ مہاجر ادیب ایک طرف تو اپنے گم شدہ وطن اور تہذیب کو یاد کر کے آنسو بہاتے رہے اور دوسری طرف انہوں نے اپنی لسانی وتہذیبی اقدار کی بدولت مقامی آبادی سے بے گانگی کا رویہ اپنائے رکھا جس سے قومی تہذیب کی تشکیل کا عمل سست رفتاری کا شکار ہوا۔ تقسیم کے بعد ہجرت کا عمل دوطرفہ تھا جس کے نتیجے میں بے شمار ادیب اور شاعر ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان آئے اور کچھ ادیب اور شاعر پاکستان سے ہندوستان بھی گئے۔ تاہم ہندوستان سے یہاں آنے والے ادیبوں نے بہ نسبت پاکستان سے ہندوستان جانے والوں کے، زیادہ شدت سے تہذیبی ولسانی طور پر عدم اطمینان محسوس کیا۔ روبینہ الماس کے مطابق اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں آنے والوں کو یکسر نئی معاشرتی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا اور اب پنجابی، سندھی، سرائیکی، پشتو، براہوی اور سرائیکی تہذیبوں کے مقامی رنگوں پر مشتمل جس نئی تہذیب سے ان کا سابقہ پڑا وہ ان کی تہذیب سے کافی مختلف تھی (۲۸)۔ اس طرح نو وارد کلچر اور مقامی تہذیب وثقافت کے مابین اجنبیت حائل رہی اور مشترک تہذیب کی تشکیل کا عمل سست رفتاری کا شکار ہوا۔ ایک طرف تو اس کا الزام ہندوستان سے آنے والے ادیبوں پر لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے پاکستان آ کر بھی اپنی زبان، تلفظ اور تہذیب وثقافت کو گلے لگائے رکھا اور مقامی تہذیب اور زبان سے غیریت برتی۔ دوسری طرف اس کی ذمہ داری مقامی آبادی پر ڈالی جاتی ہے کہ انہوں اردو کو محض ہندوستان سے آنے والوں کی

زبان سمجھا اوراس کی راہ میں روڑے اٹکائے (۲۹)۔قائداعظم نے اردو کو پاکستان کی قومی زبان قرار دیا تھا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ پاکستان کی سالمیت اور ایک قوم کی تشکیل کے لیے اردو کی ترویج بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔مگر پاکستان کے ابتدائی دنوں میں ہی لسانی مسئلے نے سر اٹھایا جسے ارباب اختیار مسلسل نظر انداز کرتے رہے اور یہی تنازعہ سقوط مشرقی پاکستان کی ایک وجہ بنا۔اردو کو قومی زبان بنانا اور نافذ کرنا ایک انتظامی ذمہ داری تھی اور اس عمل میں کوتاہی کے قصوروار یہاں کے حکمران بھی ہیں اور انتظامیہ بھی۔اردو پاکستان کے کسی ایک صوبے کی بھی بول چال کی زبان نہ تھی۔ہندوستان سے ہجرت کر کے آنے والے لوگ اردو بولتے تھے اور لب و لہجے کے معمولی فرق سے ان کے گزشتہ علاقائی تشخصات بھی واضح ہوتے تھے۔خاص طور پر دلی اور لکھنؤ سے آنے والے شاعر وادیب اردو کی اعلیٰ ادبی اقدار بھی اپنے ساتھ لائے جس سے اہل زبان اور غیر اہل زبان ادیبوں کی تفریق نے جنم لیا۔انیس ناگی کا خیال ہے کہ مہاجر ادیبوں نے پاکستان آ کر تہذیبی وتمدنی بے اطمینانی،احساس تنہائی اور عدم تحفظ کے خوف سے بچنے کے لیے ادبی گروہ بندی شروع کی اور اپنے گم گشتہ وطن کی یاد کو حرز جاں بنا کر نوزائیدہ مملکت کے مسائل سے پہلوتہی برتی۔ان ادیبوں نے مقامی ادبا کی تحریروں پر لسانی اعتراضات عاید کر کے لسانی تنازعے کو فروغ دیا اور اہل زبان ہونے کے زعم میں مبتلا ہو کر اپنی تحریروں کے ذریعے لکھنؤ اور دہلی کی زبان اور لب و لہجے کو رائج کرنے کی شعوری کوشش کی (۳۰)۔اردو بلا شبہ بین الصوبائی اور رابطے کی زبان کی ہونے کے باعث پاکستان کی قومی زبان بننے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے مگر پاکستانی اردو کا رنگ اور لہجہ کیا ہوگا اس کا تعین پاکستانی قوم کو من حیث القوم اجتماعی طور پر کرنا ہوگا نہ کہ محض دلّی اور لکھنؤ سے آنے والے اہل زبان کو۔یہ وہ اردو ہوگی جو مقامی الفاظ و محاورے،لب و لہجے،مقامی روزمرہ اور مقامی معاشرتی زندگی کی عکاس ہوگی کیونکہ یہ محض کلچر یا تہذیب کا مسئلہ نہیں ہے،یہ پاکستانی قوم کے تشخص اور ملکی سالمیت کا سوال ہے۔اس سے نہ صرف مشترکہ پاکستانی زبان کی تشکیل کا عمل ہموار ہوگا بلکہ علاقائی کلچر کو بھی فروغ ملے گا۔زبان کلچر نہیں ہے،کلچر کا ایک حصہ ہے۔قومی زبان کے لہجوں اور تلفظ کا فرق اور علاقائی زبانیں نہ صرف کسی کلچر کی رنگا رنگی اور خوب صورتی کا باعث ہوتی ہیں بلکہ اس کلچر کی مضبوطی کا سبب بھی بنتی ہیں۔علاقائی کلچر ہی وہ قوت ہے جو مجموعی ملکی کلچر کے جسم میں نیا خون پیدا کر کے اسے تقویت پہنچاتا ہے۔جس تہذیب اور کلچر میں نیا خون شامل نہ ہو وہ ایک ایسے پودے کی طرح ہوتا ہے جسے ہوا اور پانی نہ ملے۔سو اپنے خول میں بند رہنے والی اور اپنے جغرافیائی خطے میں مقید ہو جانے والی تہذیبیں صفحۂ ہستی سے مٹ جاتی ہے۔ایک ملک کے مختلف علاقوں میں پایا جانے والا کلچر ایک ایسے پودے کی مانند ہوتا ہے جس کی پیدائش و پرورش ایک ہی زمین اور آسمان یعنی مٹی اور ہوا میں ہوتی ہے۔اس رشتے کی یکسانیت اور اشتراک سے اس تہذیب کی اصل ایک ہی ہوتی ہے اور فروعی اختلافات محض ثانوی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔پاکستان کے علاقائی کلچر اپنے طبعی وجغرافیائی خدوخال کے ضمنی اختلافات سے قطع نظر اپنی شکل اور ماہیئت کے اعتبار سے مجموعی مسلم تمدن کا مظہر ہیں (۳۱)۔پاکستان کے مختلف علاقائی کلچر بھی پاکستانی تہذیب کے جزو لاینفک کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس کے حسن ودلکشی کا موجب ہیں۔علاقائی کلچر کے رنگ چاہے الگ الگ اور ایک دوسرے سے مختلف ہی کیوں نہ ہوں،ان کی اصل ایک ہی ہے۔ان سب کی بنیاد اس قوم کے عقاید پر ہے اور عقیدہ ہی دراصل وہ خون ہے جو ان علاقائی کلچر کے الگ الگ جسموں میں دوڑ رہا ہے۔لہذا جس طرح جسم کے تمام اعضا ایک دوسرے سے الگ الگ ہونے

اور منفرد خصائص کے حامل ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے منسلک ہوتے ہیں، ایک دوسرے سے ربط رکھتے ہیں، ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں اور ایک دوسرے کی مضبوطی اور قوت کا باعث ہوتے ہیں، بالکل اسی طرح پاکستان کے مختلف علاقائی کلچر مل کر مشترکہ پاکستانی تہذیب کی تشکیل کرتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ سجاد باقر رضوی، پاکستانی تہذیب کا مسئلہ،مشمولہ:کلچر (لاہور:بیت الحکمت،۲۰۰۷ء)،مرتبہ،اشتیاق بیگ،ص۷۷

۲۔ حمید احمد خان، پاکستان کی تہذیبی روایت،مشمولہ:تعلیم و تہذیب،(لاہور:مجلس ترقی ادب،۱۹۷۵ء)،ص۱۰۹

۳۔ مشتاق احمد گوراہا،اسلامی تہذیب کی آئینہ بندی،مشمولہ:اسلامی تہذیب و ثقافت،(لاہور:شاخ زریں، ۱۹۸۶ء)،مرتبہ،عطش درّانی،ص۴۷

۴۔ سید عبداللہ،اسلامی تہذیب،مشمولہ:اسلامی تہذیب و ثقافت،ص۱۶

۵۔ حمید احمد خان،،'ہماری قومی تہذیب اور موجودہ نظام تعلیم'،مشمولہ:تعلیم و تہذیب،ص۱۱۷

۶۔ عبادت بریلوی،پاکستان کے تہذیبی مسائل،(لاہور:ادارہ ادب وتنقید،۱۹۷۹ء)،ص۱۳

۷۔ حمید احمد خان، پاکستان کی تہذیبی روایت'مشمولہ:تعلیم و تہذیب،ص۱۰۹۔۱۱۰

۸۔ اسلامی تہذیب کی آئینہ بندی،مشمولہ:اسلامی تہذیب و ثقافت،ص۵۱۔۵۲

۹۔ سید فیضی،پاکستان ایک تہذیبی وحدت،(لاہور:مغربی پاکستان اردو اکیڈمی،۱۹۷۷ء)،ص۱۹

۱۰۔ قاضی جاوید،مغرب تہذیب کا چیلنج اور مسلم سماج،مشمولہ:تاریخ و تہذیب،(لاہور:فکشن ہاؤس،۲۰۱۰ء)،ص۱۹۰

۱۱۔ گوپی چند نارنگ،اردو غزل اور ہندوستانی ذہن و تہذیب،(نئی دہلی:قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، جولائی۲۰۰۲ء)،ص۵۱

۱۲۔ انتظار حسین،تہذیب......علاقائی اور قومی،مشمولہ:کلچر،ص۵۰۴

۱۳۔ سبط حسن،تہذیب،تعریف،عناصر ترکیبی اور نظام فکر،مشمولہ:کلچر،ص۲۱۵

۱۴۔ سید عبداللہ،اسلامی ہندی کلچر،مشمولہ:کلچر،ص۲۴۶

۱۵۔ انور سدید،ادب میں پاکستانیت کا مسئلہ،مشمولہ:موضوعات،(لاہور:مکتبہ عالیہ،۱۹۹۱ء)ص۹۲۔۹۳

۱۶۔ اسلامی تہذیب کی آئینہ بندی،مشمولہ:اسلامی تہذیب و ثقافت،ص۵۲۔۵۳

۱۷۔ جیلانی کامران، پاکستان کے ثقافتی مظاہر کی جمالیات،مشمولہ:کلچر،ص۵۲۲

۱۸۔ اسلامی تہذیب،مشمولہ:اسلامی تہذیب و ثقافت،ص۱۵۔۱۶

۱۹۔ پاکستان ایک تہذیبی وحدت،ص۲۶

۲۰۔ پاکستان کے ثقافتی مظاہر کی جمالیات،مشمولہ:کلچر،ص۵۲۰۔۵۲۱

۲۱۔ وزیر آغا،کلچر کا مسئلہ،مشمولہ:کلچر،ص۱۲۰۔۱۲۱

۲۲۔ قومی تشخص اور ثقافت،مشمولہ:کلچر،ص۳۴۹۔۳۵۰

۲۳۔ شیخ محمد اکرام،ثقافت پاکستان،مشمولہ:کلچر،ص ۲۸۔۲۹
۲۴۔ خواجہ جمیل احمد،اسلامی تہذیب کے گھوارے،(کراچی:اردو اکیڈمی،نومبر ۱۹۷۴ء)،ص ۲۹۶
۲۵۔ ایضاً،ص ۲۹۷
۲۶۔ ایضاً،ص ۲۹۹
۲۷۔ مبارک علی،بدلتی ہوئی تاریخ،(لاہور،فکشن ہاؤس،۱۹۹۷ء)،ص ۱۲۲
۲۸۔ روبینہ الماس،اردو افسانے میں جلا وطنی کا اظہار،(اسلام آباد:مقتدرہ قومی زبان،۲۰۱۲ء)،ص ۵۹۔۶۰
۲۹۔ وحید قریشی،پاکستانی قومیت کی تشکیل نو اور دوسرے مضامین ،(لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۴ء)،ص ۱۰۲
۳۰۔ انیس ناگی،ادیب کی صورت حال،روایت اور سماجی ذمہ داری،مشمولہ:ادب،زندگی اور سیاست(نظری مباحث)،(فیصل آباد:مثال پبلشرز،۲۰۱۲ء)،مرتبہ:محمد خاور نوازش،ص ۵۶۴۔۵۶۵
۳۱۔ سید عبداللہ،کلچر کا مسئلہ،(لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۱ء)،۱۰۷۔۱۰۸